

وہ دانائے سبل، ختم الرسل.....

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

عقیدہ ختم نبوت، مسلمانوں کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نبوت کا سلسلہ آپ پر آ کر ختم ہو گیا ہے، آپ کے بعد کوئی بھی شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا تو کذاب اور جھوٹا سمجھا جائے گا، یہ اسلام کا ایک بے غبار اور غیر متنازعہ متفقہ عقیدہ ہے، اسی وجہ سے پاکستان کی پارلیمنٹ نے 1974 میں متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا تھا، 1984 میں امتناع قادیانیت آرڈیننس جاری ہوا جس کی رو سے قادیانیوں کو اپنے عقیدے کی تشہیر سے روک دیا گیا، دین دشمن قوتوں کی طرف سے واقفوقہ ختم نبوت کے عقیدے اور توہین رسالت کی سزا کے حوالہ سے سازشوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے لیے بہت سے بد بخت، تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر کے جہاں اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں، وہاں مسلمانانِ عالم کو اذیت اور تکلیف پہنچاتے اور ان کے جذبات سے کھیلتے ہیں..... آج کل سوشل میڈیا کا دور ہے جس میں ہر آدمی جو چاہتا ہے، وہ کہہ دیتا اور لکھ دیتا ہے، ایک عرصے سے سوشل میڈیا پر انسانیت کے کئی مجرم بد بختوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں گستاخی کو ایک مہم اور مشن کے طور پر اپنایا جس کا چند ماہ پہلے بجاطور پر اسلام آباد ہائی کورٹ نے نوٹس لیا، ختم نبوت کے حوالے سے کیس کی سماعت اسلام آباد ہائی کورٹ میں آج کل روزانہ کی بنیاد پر ہو رہی ہے، اور کئی اہل علم عدالت کو علمی تعاون فراہم کر رہے ہیں، ہم نے اس مضمون میں اس جرم کی سزا کی شرعی حیثیت اور دیگر جہتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ہمارے قومی شاعر علامہ اقبال نے کیا ہی خوبصورت خیال پیش فرمایا ہے۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل

جس نے غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں اللہ جل شانہ نے وہ تمام انسانی بلند اوصاف و اخلاق جمع فرمادیئے تھے جن پر ”شرف انسانی“ کی بنیاد قائم ہے اور جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم نے وَاِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيْمٍ کے بلیغ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں، ایک مسلمان کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، آپ کی سنت و سیرت اور زندگی گزارنے کی ایک ایک ادا، اس طرح قابل تقلید اور محبوب ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی طرف اس کا اسلام اور ایمان نگاہ اٹھانے کی اجازت نہیں دے سکتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کے لئے عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز و محور ہیں اور ان ہی کے نام سے اس کی آبر و قائم ہے، وہ پر یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ ”آبروئے ماز نام مصطفیٰ است“ بلکہ اس کی عقیدت اور عقیدے کا معیار یہ ہوتا ہے کہ

محمد عربی کہ آبروئے ہر دوسرا است

کے کہ خاک درش نیست، خاک بر سر است

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور کی سیرت، کسی خاص ملت کا نہیں بلکہ وہ پوری انسانیت کا سرمایہ ہے، خود غیر مسلم مؤرخین نے جگہ جگہ اس کا اعتراف و اقرار کیا ہے، ان مؤرخین اور مصنفین کی ایک طویل فہرست ہے، یہاں صرف مشہور فرانسیسی مورخ ”لامارتاں“ کی تحریر کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے، وہ اپنی مشہور کتاب ”تاریخ ترکیہ“ میں لکھتا ہے:

”دنیا میں کسی انسان نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نصب العین سے بلند نصب العین اپنے سامنے نہیں رکھا۔ یہ عظیم الشان نصب العین کیا تھا، خدا اور بندے کے درمیان توہمات کے پردے اٹھا دینا، خدا کو انسان کے قلب میں رچا کر دینا، انسان کو خدائی صفات کے رنگ میں رنگ دینا اور صد باطل خداؤں کی بجائے خدا کا منہ اور مقدس تصور پیش کرنا۔ آج تک کبھی کسی انسان نے اتنے بڑے کام کا بیڑا نہیں اٹھایا، جس کے وسائل اور ذرائع اس قدر محدود ہوں اور مقصد اتنا دشوار اور اس کی قدرت سے باہر ہو۔ نصب العین کی بلندی، وسائل کی کمی اور پھر نتائج ایسے درخشاں حاصل کرنا، اگر یہ کسی انسان کی غیر معمولی قابلیت کا معیار ہے تو کون ہے جو اس میدان میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلے میں کسی دوسرے انسان کو پیش کرنے کی جرات کر سکتا ہے؟

دنیا کے اور بڑے بڑے انسانوں نے صرف اسلحہ، قانون یا سلطنتیں پیدا کیں، وہ زیادہ سے زیادہ مادی قوتوں کی تخلیق کر سکے جو اکثر اوقات خود ان کی آنکھوں کے سامنے را کھ کا ڈھیر ہو کر رہ گئیں لیکن اس انسان نے صرف جیوش و عسا کر، مجالس قانون ساز، وسیع سلطنتوں، قوموں اور خاندانوں ہی کو حرکت نہیں دی بلکہ ان کروڑوں انسانوں کے قلوب کو بھی، جو اس زمانہ کی آباد دنیا کے ایک تہائی حصہ میں بستے ہیں اور اس سے بھی زیادہ اس شخصیت نے قربان گا

ہوں، دیوتاؤں، مذاہب و مناسک، تصورات اور معتقدات بلکہ روحوں تک کو بلادیا۔ اس نے ایسی قومیت کی بنیاد رکھی، جس نے دنیا کی مختلف نسلوں اور زبانوں کے امتزاج سے ایک امت واحدہ پیدا کر دی۔ یہ لافانی امت اور باطل خداؤں سے سرکشی اور تغفر اور ایک خدائے واحد کے لئے والہانہ عشق۔ اس نے تمام باطل خداؤں کی عبادت گاہوں کو ڈھایا اور ایک تہائی دنیا میں آگ لگا دی۔ اس کی پاک زندگی، اس کی توہم پرستی کے خلاف جنگ، مکی دور میں طرح طرح کے مصائب کا حیرت انگیز استقلال اور صبر سے مقابلہ کرنا، پھر اس کی ہجرت اور دعوتِ رشد و ہدایت، خدا کی راہ میں غیر منقطع جہاد، اپنے مقصد کی کامیابی پر یقین محکم اور نامساعد حالات میں اس کی مافوق البشر جمعیت خاطر، فتح و کامرانی میں تحمل و غنو، کسی سلطنت سازی کے لئے نہیں، بلکہ خالص خدائی مقاصد کی کامیابی کے واسطے اس کی شبانہ روز نمازیں، دعائیں، اپنے معبود سے راز و نیاز کی باتیں، اس کی حیات، اس کی رحلت اور بعد وفات اس کی مقبولیت یہ تمام حقائق کس قسم کی سیرت کی گواہی دیتے ہیں۔

عظیم مفکر، بلند پایہ خطیب، پیغامبر، مقنن، سپہ سالار، نہ صرف اجسام بلکہ اذہان و قلوب پر غلبہ پانے والا، صحیح نظریہ حیات کو علی وجہ البصیرت قائم کرنے والا، بہت سی سلطنتوں اور ان سب پر آسمانی بادشاہی کا بانی۔ یہ ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان تمام معیاروں کو اپنے ساتھ لاؤ، جن سے انسان کی عظمت اور بلندی کو ناپا اور پرکھا جاسکتا ہے، اس کے بعد بتاؤ کہ کیا دنیا میں اس سے بزرگ تر اور کوئی انسان کبھی ہوا ہے؟“ (تاریخ ترکیہ: ۱/۶۷۲)

عشق نبوی۔ جزو ایمان:

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی مسلمان کی عقیدت و محبت، بے حقیقت جذباتی نظریہ کی بنیاد پر نہیں، بلکہ یہ اس کے ایمان کا جزو اور اس کے دین کا حصہ ہے، حضور ہی اس کی محبتوں کا محور اور اس کی تمناؤں کی آماج گاہ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع اس کے سعی و عمل کے لئے نمونہ و معیار ہے اور اسی میں اس کی ابدی سعادت کا راز مضمر ہے، قرآن کریم نے جگہ جگہ اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{قُلْ اِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَاَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا احِبَّ الْيَكْمَ مِنْ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرٍ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ}

”آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تمہاری تجارت جس کے بیٹھ جانے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو، اگر تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ

تعالیٰ (سزا دینے کے لئے) اپنا حکم بھیج دے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ (التوبہ: ۳۲)
ایک اور آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیتے ہوئے کہا گیا ہے:

{وما آتاکم الرسول فخذوه وما نہکم عنه فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب}
”اور رسول جو کچھ تمہیں دے دیا کریں وہ لے لیا کرو، اور جس سے وہ تمہیں روک دیں، رک جایا کرو۔ اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت سزا دینے میں بڑا سخت ہے۔“ (سورۃ الاحشر: ۷)
ایک دوسری آیت میں اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم پر لپیک کہتے ہوئے سر تسلیم خم کرنے کو مومنین کا شیوہ بتلاتے ہوئے کہا گیا:

{انما کان قول المومنین اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینہم ان یقولوا سمعنا و اطعنا}
”ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف کہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو وہ (ایمان والے) کہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا“ (النور: ۵۱)
ایک اور جگہ وضاحت کر دی ہے کہ اللہ اور رسول کے فیصلے اور حکم آنے کے بعد کسی مومن مرد، عورت کے شایان شان نہیں کہ وہ اس کے برعکس من مانی کریں، ایسی صورت میں سوائے تعمیل حکم کے اس کے لئے کسی اور راہ کو اختیار کرنے کی گنجائش نہیں، ارشاد ہے:

{و ما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ ورسولہ امر ان یکون لہم الخیرة من امرہم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضلّ ضللاً مبیناً}
”اور کسی مومن مرد یا مومن عورت کے لئے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا حکم دے دیں تو پھر ان کو اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، وہ صریح گمراہی میں جا پڑے گا۔“ (سورۃ الاحزاب: ۳۶)
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث امام بخاری اور امام مسلم نے نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

{لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔}
”تم میں سے کوئی مومن نہیں بن سکتا جب تک اس کو مجھ سے اپنے ماں باپ، اولاد اور باقی سب لوگوں سے بڑھ کر محبت نہ ہو۔“ (صحیح بخاری، کتاب الایمان، رقم ۱۴، صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم: ۱۷۷۱)

عہد نبوی میں بے حرمتی کے واقعات:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بعض بد بختوں کی طرف سے گستاخی کا سلسلہ کوئی نیا نہیں، خود عہد نبوی میں دربار نبوت کی بے حرمتی کے واقعات پیش آئے اور آپ کی ناموس پر کٹ مرنے والی پاکیزہ ہستیاں نے ان دریدہ دہن بد بختوں کو اپنے انجام تک پہنچایا ہے:

☆ ایک نابینا صحابی کی باندی حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتی تھی، وہ ایک رات اٹھے اور تلوار سے اس باندی کا پیٹ چاک کر کے اس کو قتل کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو فرمایا کہ اس کا خون ہدر اور رائیگاں ہے۔ (بلوغ المرام فی احادیث الاحکام، ص: ۱۲۳)

☆ کعب بن اشرف مشہور یہودی رئیس تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا اور ہجویہ اشعار کہتا، حضرت محمد بن مسلمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر جا کر اس کا کام تمام کیا۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم: ۴۰۳۷)

☆ مدینہ منورہ میں ابو عقیق نامی ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں ہجویہ نظم لکھی، حضرت سالم بن عمیر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر جا کر اسے قتل کیا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲۸۲/۴)

☆ فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کا اعلان کر دیا گیا تھا، لیکن شاتم رسول ابن حنظل کو معافی نہیں دی گئی، اس نے خانہ کعبہ کا پردہ پکڑا تھا اور اسی حالت میں اسے قتل کیا گیا، ابن حنظل کی دو لونڈیوں کا خون بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رائیگاں قرار دیا تھا کیونکہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجویہ اشعار گایا کرتی تھیں۔ (اکامل لابن اثیر: ۹۶۱/۲، صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم: ۴۰۳۵)

☆ عصماء بنت مروان شاعرہ تھی اور قبیلہ بنو امیہ سے اس کا تعلق تھا، اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی کی، حضرت عمیر بن عدی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر جا کر اس کو قتل کیا۔ (سیرت ابن ہشام، جلد: ۴، صفحہ: ۲۸۳)

توہین رسالت کی سزا:

عہد نبوی کے ان واقعات سے ایک بات بالکل بے غبار ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ ”توہین رسالت“ کا جرم ایسا نہیں جس سے چشم پوشی کی جائے یا اس سے درگزر کیا جائے، چنانچہ تمام ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ توہین رسالت کا مجرم واجب القتل ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں: ”حاصل یہ ہے کہ شاتم رسول کے کفر اور اس کے قتل کے درست ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں اور یہی ائمہ اربعہ سے منقول ہے۔“ (جلد: ۴، صفحہ: ۶۴)

فقہ حنفی کی مشہور شخصیت، امام سرخسی شاتم رسول کے قتل پر اجماع نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شتم کیا، آپ کی توہین کی، دینی یا شخصی اعتبار سے آپ پر عیب لگایا، آپ کی صفات میں کسی صفت پر نکتہ چینی کی تو چاہے یہ شاتم رسول مسلمان ہو یا غیر مسلم، یہودی ہو یا عیسائی یا غیر اہل کتاب، ذمی ہو یا حربی، خواہ یہ شتم و اہانت عدا ہو یا سہواً، سنجیدگی سے ہو یا بطور مذاق، وہ دانگی طور پر کافر ہو، اس طرح پر کہ اگر وہ توبہ بھی کر لے تو اس کی توبہ نہ عند اللہ قبول ہوگی نہ عند الناس اور شریعت مطہرہ میں منہاخر و مستفہم تمام مجتہدین کے نزدیک اس کی سزا اجماعاً قتل ہے۔“ (خلاصۃ الفتاویٰ: ۳/۲۸۶)

تقید اور توہین کا شوشہ:

بعض مغرب زدہ مسلمان دانشوروں نے ”تقید اور توہین“ کا شوشہ چھوڑ کر اس بات پر جو رد دیا ہے کہ مسلمان کو تقید اور توہین کا فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ دین اسلام میں منصب نبوت ہر قسم کی تقید سے بلند ہے، انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء ہیں، منصب نبوت کی طرف کسی قسم کی انگشت نمائی یا تقید ”توہین رسالت“ ہی کے زمرے میں آتی ہے۔ امت کے جلیل القدر علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، یہ دانشور اگر ان کتابوں کا بغور مطالعہ کر لیں تو انہیں مستشرقین کے دائرہ اثر سے نکلنے کا موقع مل جائے گا، علامہ تقی الدین سبکی کی کتاب ”السیف المسلول علی من سب الرسول“ علامہ ابن الطلاع اندلسی کی تالیف، ”اقتضیہ الرسول“ مشہور حنفی عالم علامہ زین العابدین شامی کی ”تنبیہ الولاة والاکام علی احکام شاتم خیر الانام“ اور علامہ ابن تیمیہ کی شہرہ آفاق تصنیف ”الصارم المسلول علی شاتم الرسول“ اس موضوع پر ایسی کتابیں ہیں جنہوں نے کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا اور سب اس پر متفق ہیں کہ بارگاہ رسالت میں کسی بھی قسم کی تقید کی سزا موت اور قتل ہے۔

چنانچہ جب اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ تھا اور مسلمانوں کی عدالتیں دشمنوں کے دباؤ سے آزاد تھیں، تب کوئی ایسا واقعہ پیش آتا تو مجرم موت کی سزا یا کر کیفر کردار تک پہنچ جاتا بلکہ نویں صدی کے وسط میں اندلس کے اندر ”شامیین رسول“ نے ایک جماعت کی شکل اختیار کر لی تھی لیکن مسلمان قاضیوں نے کوئی نرمی نہیں برتی اور اس کیس کے ہر مجرم کو سزائے موت دی۔ یولوبیس نامی عیدائی اس گروہ کا سربراہ تھا اور اس کی سزائے موت کے ساتھ ہی مسلم ہسپانیہ میں اس بد بخت جماعت کا خاتمہ ہوا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے، تاریخ ہسپانیہ: ۱۰۰/۱)

گزشتہ دو تین صدیوں سے ”آزادی اظہار رائے“ کی جو سوسم ہوا یورپ میں چل پڑی ہے، اس ناقابل معافی جرم کو بھی وہ اس کے بھینٹ چڑھانے کی سعی کر رہی ہے، پاکستان میں قابل فہم طور پر ایک اسلامی ریاست ہونے کے ناطے ”توہین رسالت“ کی سزا موت ہے، مغربی ممالک نے اس قانون کے خلاف بڑا دوا بولا مچایا اور اسے

آزادی“ کے خلاف قرار دے کر مختلف حکومتوں پر یہ تو تیں دباؤ ڈالتی رہیں لیکن الحمد للہ یہاں کی عوامی قوت کے خوف سے کوئی حکومت اب تک اس میں تبدیلی نہیں کر سکی ہے۔ مشہور بیورو کریٹ اور ادیب قدرت اللہ شہاب نے اس سلسلے میں مسلمانوں کے جذبات کا تجزیہ کرتے ہوئے کافی حد تک صحیح لکھا ہے کہ:

”رسول خدا کے متعلق اگر کوئی بدزبانی کرے تو لوگ آپ سے باہر ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ تو مرنے کی بازی لگا بیٹھتے ہیں، اس میں اچھے، نیم اچھے، برے مسلمان کی بالکل کوئی تخصیص نہیں، بلکہ تجزیہ تو اسی کا شاہد ہے کہ جن لوگوں نے ناموس رسالت پر اپنی جان عزیز کو قربان کر دیا، ظاہری طور پر نہ تو وہ علم و فضل میں نمایاں تھے اور نہ زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے، ایک عام مسلمان کا شعور اور لاشعور جس شدت اور دیوانگی کے ساتھ شان رسالت کے حق میں مضطرب ہوتا ہے، اس کی بنیاد عقیدہ سے زیادہ عقیدت پر مبنی ہے، خواص میں یہ عقیدت ایک جذبہ اور عوام میں ایک جنون کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔“

ایک عام مسلمان کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت و محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ ناموس رسالت پر کٹ مرنے کو اپنے لیے مایہ نخر سمجھتا ہے اور مولانا محمد علی جوہر کی ایمانی غیرت و حمیت کے یہ الفاظ تقریباً ہر مسلمان کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں:

”جہاں تک خود میرا تعلق ہے، مجھے نہ قانون کی ضرورت ہے نہ عدالتوں کی حاجت، اگر کوئی ہندوستانی اس قدر شقی القاب ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے، ان میں سب سے اشرف نبی سرور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور باعث تکوین دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو تقدس میرے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے، اس کا اتنا پاس بھی نہیں کرتا کہ اس پر گزیدہ ہستی کی توہین کر کے میرے قلب کو چور چور کرنے سے احتراز کرے تو مجھ سے جہاں تک صبر ہو سکے گا، صبر کروں گا، جب صبر کا جام لبریز ہو جائے گا تو اٹھوں گا اور یا تو اس گندہ دل، گندہ دماغ، گندہ دہن کا فر کی جان لے لوں گا یا اپنی جان اس کی کوشش میں کھودوں گا۔“ (مولانا محمد علی جوہر، آپ جیتی اور فکری مقالات، صفحہ: ۲۳۲)

جب کہیں مسلمان خود اقلیت میں ہو گئے یا مسلمانوں کی عدالتیں غیروں کے دباؤ میں آ گئیں اور وہاں توہین رسالت کے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے انصاف کے راستوں میں رکاوٹیں پیش آنے لگیں، تب عام مسلمانوں نے کسی قانون اور عدالت کی پروا نہیں کی۔

آزادی اظہار رائے کی حدود:

جہاں تک آزادی اظہار رائے کا تعلق ہے تو دنیا کے کسی بھی دستور میں ”آزادی مطلق“ کا حق نہیں دیا گیا، یہاں سیکولر ہونے کے دعویٰ دار چند معروف دستوروں کے حوالے دیے جاتے ہیں۔

سب سے پہلے فرانس کو لے لیں، جہاں کے اخبارات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اہانت آمیز خاکے شائع کیے ہیں اور اسے ”آزادی اظہار رائے“ کا اپنا حق قرار دیا ہے، اسی فرانس کے دستور کے آرٹیکل نمبر ایک میں کہا گیا ہے: ”انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور آزاد رہے گا اور سب کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے، لیکن سماجی حیثیت کا تعلق مفاد عامہ کے پیش نظر کیا جائے گا۔“ اور آرٹیکل نمبر چار میں کہا گیا ہے: ”آزادی کا حق اس حد تک تسلیم کیا جائے گا جب تک کہ اس سے کسی دوسرے شخص کا حق متاثر یا مجروح نہ ہو اور ان حقوق کا تعین بھی قانون کے ذریعے کیا جائے گا۔“

جرمنی کے آئین کے آرٹیکل نمبر ۵ میں کہا گیا ہے: ”ہر شخص کو تحریر، تقریر اور اظہار خیال کی آزادی کا حق حاصل ہے۔“ مگر اس کے ذیلی آرٹیکل نمبر ۲ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ حقوق شخصی عزت و تکریم کے دائروں میں رہتے ہوئے استعمال کیے جاسکیں گے۔

امریکی دستور میں بھی مطلق آزادی کا کوئی تصور نہیں، امریکن سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق دستور میں ایسی تحریر اور تقریر کی اجازت نہیں جو عوام میں اشتعال انگیزی یا امن عامہ میں خلل اندازی کا سبب بنے یا اس سے اخلاقی ہکا بکا پیدا ہو، ریاست کو ایسی آزادی سلب کرنے کا اختیار دیا گیا، اسی طرح آزادی مذہب کے نام پر توہین مسیح کے ارتکاب کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ (امریکن سپریم کورٹ کے اس فیصلے کی تفصیل محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ نے اپنی کتاب ”ناموس رسالت اور توہین رسالت“ کے باب پنجم میں لکھی ہے۔)

یہی حال برطانیہ کا ہے، وہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا برطانیہ کی ملکہ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کی اجازت نہیں، وہاں ہائینڈ پارک میں ”اسپیکر کارز“ کے نام سے ایک گوشہ مختص ہے، جہاں مخصوص اوقات میں ہر شخص کو جوجی میں آئے کہنے یا کہنے کی چھوٹ دی گئی ہے، لیکن یہاں بھی کسی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کرے یا ملکہ کی شان میں گستاخی کرے۔

جب خود ان قوموں کے دساتیر میں ”آزادی اظہار رائے“ کو مشروط کیا گیا کہ اس کی اسی وقت اجازت ہے جب وہ کسی کے حق اور جذبات مجروح کرنے کا ذریعہ نہ بنے، ایسے میں قانونی حوالے سے اس کا جواز کیونکر ہو سکتا ہے کہ کائنات کی سب سے بزرگ ہستی کی توہین کی جائے، جو دنیا کے مختلف خطوں میں رہنے والے اربوں مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے کا ذریعہ بنتی ہے!

حقیقت یہ ہے کہ ناموس رسالت پر حملوں کے اس طرح کے افسوس ناک واقعات، عیسائی دنیا کی اس پرانی اسلام دشمنی کا نتیجہ ہیں جو صدیوں سے قائم ہے اور قرب قیامت تک قائم رہے گی، بغیر اسلام اور اسلام کے خلاف

پروپیگنڈا، اس کے متعصبانہ خمیر میں شامل ہے اور اس کے لیے انہوں نے بڑے بڑے ادارے قائم کیے، جن کے تحت ہزاروں افراد کام کر رہے ہیں، یہ لوگ صدیوں سے اسلام کے قلعے پر علمی، عملی اور سائنسی محاذوں سے حملہ آور ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اس قلعے میں شکاف پڑے، انہیں معلوم ہے کہ دین اسلام ہی الہی کی ظاہری چمک دمک والی لیکن اندر سے کھوکھلی اور فرسودہ تہذیب کو کارزار حیات میں شکست و ریخت سے دوچار کر کے مٹا سکتا ہے کہ دینی ایک زندہ جاوید اور قیامت تک رہنے والا دین برحق ہے۔۔۔۔۔ لیسیدون لیطفئوا نور اللہ بافواہم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون}

پاکستان میں توہین رسالت کے قانون سزا کا پس منظر:

پاکستان، اسلام کے نام پر بننے والا ملک ہے جس کی پہچان اور دنیا کے نقشے پر جس کے وجود میں آنے کا جواز اسلام اور اس کی تعلیمات کا مکمل نفاذ تھا، برصغیر میں ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے بڑی ایمان افروز تحریکیں چلی ہیں اور خواجہ بطحا صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس پر جانیں قربان کرنے کی لہورنگ تاریخ مرتب ہوئی ہے، عام مسلمانوں نے جب بھی دیکھا کہ توہین رسالت کے مجرم کو قانون گنجائش فراہم کر رہا ہے اور انصاف پر قانون کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے تب مسلمانوں نے انصاف خود اپنے ہاتھوں میں لیا ہے، انہوں نے پھر کسی قانون، کسی ضابطے کی پروا نہیں کی۔ انیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں راجپال نامی بد بخت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی پر مشتمل ایک کتاب ”رنگیلا رسول“ کے نام سے لکھی تھی، انگریز کا قانون نافذ تھا، مسلمان بجا طور پر مشتعل تھے، دفعہ ۴۳۱ نافذ کر دیا گیا تھا اور کسی قسم کے جلسے اور اجتماع کی اجازت نہیں تھی، اس موقع پر خطیب الہند، حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے جو تقریر کی اس سے مسلمانوں کے جذبات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، انہوں نے فرمایا:

جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے، ناموس رسالت پر حملہ کرنے والے چین سے نہیں رہ سکتے، پولیس جھوٹی، حکومت کوڑھی اور ڈپٹی کمشنر نااہل ہے اور ہندو اخبارات کی ہرزہ سرائی کو روک نہیں سکتا لیکن علمائے کرام کی تقریریں روکنا چاہتا ہے، وقت آ گیا ہے کہ دفعہ ایک سو چوالیس کے یہیں پر نچے اڑا دیے جائیں۔ میں دفعہ ایک سو چوالیس کو اپنے جوتے کی نوک تلے مسل کر بتا دوں گا۔

پڑا فلک کو دل جلوں سے کام نہیں

جلا کے راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

راجپال کو غازی علم دین نے حملہ کر کے ٹھکانے لگایا اور یوں جس انصاف کو فراہم کرنے میں عدالت پس و پیش

سے کام لیتی رہی، ایک عام مسلمان نے بڑھ کر قانون اپنے ہاتھ میں لیا اور مجرم کو کیفر کردار تک پہنچایا۔
انگریز دور حکومت میں مجموعہ تعزیرات ہند نافذ تھا، جس کے دفعہ 295 میں مذہبی محترم شخصیات اور مقدس مقامات کی سبہ حرمتی اور توہین کی سزا زیادہ سے زیادہ دو سال قید اور جرمانہ تھی، پاکستان بننے کے بعد اس مجموعہ کو ضابطہ تعزیرات پاکستان کے طور پر تسلیم کر لیا گیا، لیکن اس میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے جرم اور اس کی سزا شامل نہیں تھی۔ 1986ء میں تعزیرات پاکستان میں ایک نئی دفعہ ”295، سی“ کا اضافہ کیا گیا، جس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے مجرم کو عمر قید یا موت کی سزا مقرر کی گئی۔ 30 اکتوبر 1990ء میں وفاقی شرعی عدالت نے ”عمر قید“ کی سزا کو غیر شرعی قرار دے کر منسوخ کر دیا اور صرف موت کی سزا کو برقرار رکھا، جس کے الفاظ یہ ہیں:

”جو شخص بذریعہ الفاظ زبانی، تحریری یا اعلانیہ اشارتا کنایتاً بہتان تراشی کرے، یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نام کی بے حرمتی کرے، اسے سزائے موت دی جائے گی اور وہ جرم از کا بھی مستوجب ہوگا۔“

پروپیگنڈا اہم:..... مغرب اور حقوق انسانی کی نام نہاد تنظیموں نے اس قانون کے خلاف زبردست پروپیگنڈا کیا اور مختلف حکومتوں پر اس میں ترمیم اور تخفیف کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جاتا رہا، بعض حکمران اس میں ترمیم کے لیے آمادہ بھی ہوئے، لیکن عوامی طاقت کے خوف سے وہ اس میں تبدیلی نہیں کر سکے۔ اس سلسلے میں ختم نبوت کے تحفظ کے لیے کام کرنے والے علما اور مخلص کارکنوں کا کردار قابل رشک رہا۔ انہوں نے جہاں کہیں، اس طرح کی سازش کی بومحسوس کی، عوام میں بیداری کے لیے ”ہشیار باش“ کی صدا لگائی اور لوگوں کو بروقت جگانے کا فریضہ انجام دیتے رہے اور ایک مومن کے لیے اس سے بڑھ کر اور سعادت کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے وقت، اس کے مال، اس کی فکر اور اس کی مساعی کا محور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کا تحفظ ہو، مبارک ہیں ایسے لوگ! اور قابل رشک ہیں ان کی زندگی کے لمحات!

حاصل گفتگو:..... جہاں تک مغرب اور کفریہ طاقتوں سے دلائل کی روشنی میں مکالمے کا تعلق ہے، یہ بات ایسی جگہ بے غبار ہے کہ ان کا رویہ عناد اور دشمنی پر مبنی ہے اور ایک عناد اور کینہ رکھنے والا دشمن، دلائل سے کبھی متاثر نہیں ہوتا، اس کے پاس اگر طاقت ہوتی ہے تو دلائل کا ٹکسال بھی اس کا اپنا ہوتا ہے اور خیر و شر کے پیمانے بھی وہ خود بناتا اور بگاڑتا ہے..... ہاں اہل اسلام کا یہ فریضہ ضرور ہے کہ وہ انسانیت کی ابدی صداقتوں کی روشنی میں حق اور حقیقت کو اجاگر کریں، خیر و شر اور نیکی اور بدی کے صحیح پیمانوں کا تعارف کرائیں اور داعیانہ اسلوب میں واضح کریں کہ کائنات کی مقدس ترین ہستی کی شان میں گستاخی صرف مسلمانوں کے جذبات مجروح ہونے کا سبب نہیں، بلکہ یہ ابانت

آميز رویہ اختیار کرنے والی ان قوموں کے لیے دنیا اور آخرت کی بربادی اور تباہی کا ذریعہ بھی ہے، قرآن کریم نے اپنے بلیغ اسلوب بیان میں جگہ جگہ اس کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہے:

ولقد استهزئ برسلك من قبلك فحاق بالذين سخروا منهم ماكانوا به يستهزون
(الانعام: 10)

”اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں سے بھی ہنسی کرتے رہے، پھر گھیر لیا، ان ہنسی کرنے والوں کو اس چیز نے جس پر ہنسا کرتے تھے“، یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ استہزاء کرتے تو انبیاء ان کو عذاب سے ڈراتے، لیکن وہ اس عذاب کا بھی تمسخر اڑاتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی عذاب میں مبتلا کیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

اور آخر میں عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار پر مشتمل شاعر مشرق کا ایک لازوال قطعہ:

ہونہ یہ پھول، تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو!
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

☆☆☆